ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مولانا آزاد کی شاعری میں فنی لوازمات: تجزیہ و تنقید

Technical Essentials in Maulana Azad's Poetry: Analysis and Criticism

محمد اسلم
ایم فل سکالر
ڈاکٹر عبدالستار ملک
استاد شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract:
It is important to have both thought and art factors in poetry. If even one of these processes does not happen, then that poetry will remain dull and incomplete. Where diversity is created in the subjects and themes of poetry, the requirements of time are also fulfilled in it. If there is no art, something like a prose poem can be created and the full potential of poetry cannot be taken. Therefore, where thought is necessary, art cannot be ignored. Man's manipulation of nature is called art. Thought is related to thought or emotions, but art is a learning process, which also requires practice. Sometimes it is learned with the help of teachers and books and sometimes with the help of consciousness. When talking about art, special attention is paid to the rules of language, knowledge of innovation, knowledge of narration, nature and types of poetry, knowledge of presentation etc. In this article, the artistic merits of Maulana Muhammad Hussain Azad's poetry will be examined.

Key Words: Technical Essentials in Maulana Azad poetry, vocabulary and compound words, metaphor simile,

کلیدی الفاظ: مولانا آزاد کی شاعری میں فنی لوازمات، تشبیہ، استعارہ

شاعری میں فکر اور فن دونوں عوامل کا ہونا ضروری ہے۔ اِن میں سے ایک عمل بھی اگر نہیں ہو گا تو وہ شاعری پھیکی اور ادھوری رہے گی۔ فکر سے شاعری کے مضامین اور موضوعات میں جہاں تنوّع پیدا ہوتا ہے وہیں فنی تقاضوں کو بھی پورا کیا جاتا ہے۔ جب کہ فن نہ ہو تو نثری نظم جیسی کوئی چیز بن سکتی ہے اور شاعری کا پورا حظ نہیں اٹھایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جہاں فکر کا ہونا ضروری ہے، وہیں فن کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فطرت پر انسان کے تصرف کا نام آرٹ ہے۔ فکر کا تعلق خیال اور جذبے سے ہے لیکن فن ایک سیکھنے کا عمل ہے۔ اس میں ریاضت کی ضرورت ہے۔ کبھی اسے اساتذہ اور کتب کی مدد سے سیکھا جاتا ہے اور کبھی شعور کی مدد سے۔ جب فن کی بات کرتے ہیں تو اس میں زبان کے قواعد، علم بدیع، علم بیان، ماہیت و اقسامِ شعر، علمِ عروض وغیرہ کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

شعر کو آرٹ کہا گیا ہے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ شعر کو فنی محاسن کے ساتھ لکھنا ایک آرٹ ہی ہے۔ یہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جنھوں نے اس فن میں ید طولیٰ حاصل کیا ہو۔ وہ فن کی باریکیوں اور اس کے فنی لوازمات سے کماحقہ آگاہ ہوں۔ مولانا محمد حسین آزاد ایک صاحب، طرز انشاپرداز تو تھے ہی، ایک اچھے شاعر اور زبان و بیان کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ اچھی شاعری کے لیے جہاں جذب و خیال اور تخیل کی بلندی ضروری ہے، وہاں فنی رموز اور لسان و قواعد سے آشنائی بھی لازم ہے۔ سخن دانِ فارس اور آبِ حیات جیسی تصانیف اس حقیقت کی شاہد ہیں۔ اس مضمون کا مقصد عنوانات کے تحت مولانا محمد حسین آزاد کی شاعری کے فنی محاسن کا جائزہ مطلوب ہے۔

تراکیب و لفظیات:

تراکیب و لفظیات کا چناؤ شاعر نے خوب کیا ہے یہ صنائع و بدائع کسی بھی کلامِ موزوں کے زیور ہوتے ہیں۔ ان کے استعمال سے کلام نکھر جاتا ہے۔ یہاں چند ایسے اشعار نمونے کے طور شامل ہیں جن میں شاعر نے تراکیب کا بر محل استعمال کر کے شاعری کو حسن و رعنائی عطا کرنے کی کوشش کی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

دولابِ چرخ پر مگر اپنا مدار ہے　　چلنا اسی پہ دور خزاں و بہار ہے
آ اے شبِ سیاہ کہ لیلائے شب ہے تُو　　عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تُو
آمد کی تیری شان تو زیبِ رقم کروں　　پر اتنی روشنائی کہاں سے بہم کروں(1)

مذکورہ اشعار میں شاعر نے دولابِ چرخ، شبِ سیاہ، لیلائے شب، اور زیبِ رقم ایسی تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ شبِ سیاہ کو لیلائے شب کہہ کر پکارا گیا ہے۔

پڑھتا ہے ذرہ ذرہ پہ افسوں نئے نئے　　ہو جاتے ہیں وہی در مضموں نئے نئے
مضموں تازہ گر کوئی اس آن مل گیا　　یوں خوش ہے جیسے نقشِ سلیمان مل گیا
اس تیرہ شب کے پردے میں شاعر جو چور ہے　　پھر تا ٹٹولتا ہوا مانندِ کور ہے(2)

مذکورہ تین شعروں میں "درِ مضموں، نقشِ سلیمان، اور مانندِ کور ایسی تراکیب کو برتا گیا ہے۔ شاعر نے نہایت برجستگی سے شعر کہے ہیں اور ایسی نادر تراکیب برتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے آج کے زمانے کی شاعری ہو، حالانکہ یہ ۱۸۷۴ء کے دور کی شاعری ہے۔ اس زمانے میں ایسی تراکیب کا استعمال کرنا گویا ایک انوکھی اور اچنبھے کی بات تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد نے اسی دور میں نئی نظم کے حوالے سے ایک نئی راہ نکالی تھی۔ اسی راہ پر چل کر نئی نظم نے ترقی کی منازل طے کی ہیں۔

آزادؔ آفریں تری لطفِ زبان کو　　پر کروٹ اب ہے رات نے دی آسمان کو
سب اپنے اپنے کام میں ہیں دل وئے ہوئے　　تو کیوں ہے بیٹھا بادۂ غفلت پئے ہوئے
کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے　　وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے(3)

مذکورہ اشعار میں لطفِ زبان، بادۂ غفلت، ہوش و خرد، وقتِ سحر ایسی تراکیب و لفظیات کا استعمال دیکھ کر بے ساختہ مولانا آزاد کو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ انھوں نے شبِ کی سیاہی کی تعریف کی ہے۔ مختلف شعرا نے رات کی تعریف و توصیف کی ہے، مگر مولانا آزادؔ نے اس مثنوی میں شب کی جس طرح کھل کر تعریف اور اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ بہت کم شعرا کے حصہ میں آیا ہے۔ وہ شب کی قدر و منزلت کے گن گا رہے ہیں۔

تراکیب دراصل شاعری کا زیور ہیں، جس کے استعمال سے شاعری کے وقار میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت اور دلکش ہو جاتی ہے۔ مولانا آزاد نے بھی دیگر مثنویوں کی طرح اس میں بھی تراکیب کا خوب استعمال کیا ہے۔

ان کے استعمال سے شعر میں خوبصورتی در آئی ہے۔ ان تراکیب کو بنانے اور استعمال کرنے کی وجہ بھی ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد عربی، فارسی اور اردو پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ جو شاعر عربی اور فارسی زبانیں جانتا ہے وہ بڑی آسانی سے تراکیب بنا کر اپنے شعروں میں استعمال کر سکتا ہے۔

نقطہ ہے اگر اس میں　　ہے عقدہ سربستہ
عقدہ ہے اگر اس میں　　ہے نکتۂ برجستہ(4)

پہلے شعر کے مصرعہ ثانی میں "عقدۂ سربستہ" جب کہ دوسرے شعر کے مصرعہ ثانی میں "نکتۂ برجستہ" کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔

وہیں بیٹھے تھے یارانِ دل آگاہ تری　　سالہا سال سے تھے دیکھ رہے راہ تری(5)

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "یارانِ دل آگاہ" کی خوبصورت ترکیب برتی گئی ہے۔ جو شعر کے حسن میں اضافہ کا باعث بن رہی ہے۔

جب بہ اقبال و حشم گذریں اسے سال پچاس　　جابجا جشن خدا ساز کے ہوویں اجلاس(6)

مذکورہ شعر میں "بہ اقبال و حشم" کی نہایت عمدہ ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ ایسی تراکیب وہی شاعر استعمال کر سکتا ہے، جسے عربی اور فارسی زبان پر دسترس ہو کیونکہ ترکیب بناتے ہوئے ایک لفظ عربی اور ایک لفظ فارسی ہونا چاہیے یا پھر دونوں لفظ عربی یا پھر دونوں فارسی کے ہونا لازم ہیں۔ فارسی اور عربی کے اشتراک سے ترکیب بنائی جا سکتی ہے۔ کسی بھی غیر زبان کے لفظوں سے بنائی ترکیب درست تصور نہیں کی جاتی۔

کہتے ہیں بندۂ بے دام و درم حاضر ہیں　　اور اگر جاں کا ہو تو دم حاضر ہیں(7)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "بندۂ بے دام و درم" کی ترکیب استعمال ہوئی ہے۔ تین حرفی اضافہ نہایت سلیقہ سے برتی گئی ہے۔ جو شعر میں رعنائی پیدا کر رہی ہے۔ شعروں میں تراکیب کا استعمال جہاں شعروں کے حسن میں اضافے کا باعث بنتا ہے وہاں شعروں میں فصاحت و بلاغت کو بھی جنم دیتا ہے۔

دامانِ کوہسار میں سورج بھی لیٹ کر دبکا لحافِ ابر میں منہ کو لپیٹ کر (8)

مذکورہ کے مصرعہ اولیٰ میں "دامانِ کوہسار" اور پھر مصرعہ ثانی میں "لحافِ ابر" کی تراکیب استعمال ہوئی ہیں جو شعر میں حسن و رعنائی کو جنم دے رہی ہے۔ یہاں شاعر نے کمال خوبصورتی اور ہنر مندی سے سورج کو تجسیم کر کے اسے ایک جسم بھی عطا کر دیا ہے۔ سورج بادلوں کے لحاف میں سردی کی وجہ سے دبکا اور منہ کو چھپائے لیٹا ہوا ہے۔

آ کے خود سیاہیِ شب راہ میں پڑی آبادی ایک شہر کی ہم کو نظر پڑی (9)

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "سیاہیِ شب" کی ترکیب کو برتا گیا ہے۔

دیکھا پری کو اس نے مگر چشمِ ناز سے اور پاس ہو کے نکلا عجب سوز و ساز سے (10)

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "چشمِ ناز" کی خوبصورت ترکیب استعمال کی گئی ہے، جس سے شعر کی خوبصورتی میں اضافہ ہوا ہے۔ دوسرے مصرع میں "سوز و ساز" کی ترکیب بھی نہایت حسن و رعنائی پیدا کر رہی ہے۔ شعروں میں ایسی تراکیب استعمال کرنے سے شعروں میں بلا کی فصاحت پیدا ہوتی ہے اور یہاں تو صوتی آہنگ بھی پیدا ہو رہا ہے۔

صنعتِ تکرار لفظی :

شعر میں تکرار لفظی کا جہاں لفظوں کی تکرار سے اعلیٰ اور دقیق خیال کو روانی کے ساتھ بیان کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ وہاں ایک صوتی آہنگ بھی جنم لیتا ہے۔ احمق پھپھوندوی اپنے شعروں میں جب تکرار لفظی کو استعمال کرتے ہیں نہ صرف صوتی آہنگ پیدا کرتے ہیں بلکہ مزاح بھی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے بھی احمق پھپھوندوی شعروں میں تکرار لفظی کو پسند کرتے ہیں۔ وہ اس سے بہت اعلیٰ اور عمدہ شعر اور خیال کو لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان لکھتے ہیں:

"لفظوں کی تکرار بالعموم نثر اور شعر دونوں میں معیوب سمجھی جاتی ہے لیکن اگر لفظوں کی تکرار اور الٹ پھیر ایک خاص سلیقے سے کی جائے اور وہ رمزی اور ایمائی اثر بڑھانے میں مدد دے تو کلام کی بلاغت اور حسن میں اضافہ ہو گا۔ غزل میں وزن اور بحر اور ردیف قافیے کی تکرار بھی اسی مقصد کے لیے ہوتی ہے بعض وقت لفظوں کی تکرار اس واسطے پسند ہوتی ہے کہ دل جس چیز کو چاہتا ہے وہ بار بار سامنے آتی رہے۔ لفظوں کے خیالی پیکروں سے جذبہ اپنے آپ کو وابستہ کر لیتا ہے تو یہ صورت پیدا ہوتی ہے۔ تکرار سے ان خیالی پیکروں کے نقوش میں گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔" (11)

اے خوشی آ، ترے آنے سے ہے گھر گھر شادی ہے ترے آنے سے ہر لب پہ مبارک بادی (12)

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "گھر گھر" کی تکرار نے ایک خوبصورت صوتی آہنگ اور موسیقیت کو پیدا کیا ہے جس سے شعر میں حسن و رعنائی در آئی ہے۔ جس شعر میں صوتی آہنگ جنم لیتا ہے۔ وہ شعر پڑھنے یا سننے میں بھی بہت بھلا محسوس ہونے لگتا ہے۔

نظم میں صنعت تکرار لفظی کا نہایت سلیقہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ پوری نظم صنعت تکرار لفظی کی عمدہ مثال ہے۔ مطلع کے علاوہ ہر دوسرے مصرعے میں "محنت کرو محنت کرو" کی تکرار ایک عجب صوتی آہنگ پیدا کر رہی ہے جس کی وجہ سے نظم میں موسیقیت نے بھی جنم لیا ہے۔ نظم پڑھتے ہوئے قاری اس کے صوتی آہنگ میں کھو جاتا ہے۔

ہے امتحاں سر پر کھڑا محنت کرو محنت کرو باندھو کمر بیٹھے ہو کیا محنت کرو محنت کرو
محنت کرو انعام پر اکرام لو جو چاہو گے مل جائے گا محنت کرو محنت کرو (13)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مذکورہ شعروں میں "محنت کرو محنت کرو" کی تکرار لفظی شعروں کے حسن کو دوبالا کر رہی ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے ان اشعار میں جہاں صنعت تکرار لفظی پیدا کی ہے وہاں محنت کا جذبہ بھی ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ سستی و کاہلی کی بجائے عمل و حرکت کی دعوت دے رہے ہیں۔ محنت سے کامیابی مشروط ہے۔ جو شخص محنت پر یقین رکھتا ہے وہ کبھی کسی امتحان میں بھی ناکام نہیں ہوتا۔

مولانا محمد حسین آزاد کی نظم "نوطرزِ مرصع" میں بھی تکرار لفظی کی صنعت کو استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے ان کے شعروں میں حسن ورعنائی کے ساتھ ساتھ صوتی آہنگ نے بھی جنم لیا ہے۔

اک رات بیٹھے بیٹھے جو میں تنگ آ گیا گھر سے نکل کے آگے ٹہلتا چلا گیا(14)

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "بیٹھے بیٹھے" کی تکرار لفظی کو برتا گیا ہے۔ جو شعر میں موسیقیت کو پیدا کر رہی ہے اور حسن میں صوتی آہنگ پیدا ہو گیا ہے۔

وہاں جنگل اور یہ درختوں کی سائیں سائیں چاروں طرف پہاڑ میں ہیں دوڑتی بلائیں(15)

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "سائیں سائیں" کی تکرار لفظی موجود ہے۔ سائیں سائیں کے ساتھ دوسرے مصرع میں بلائیں کا قافیہ برت کر شعر میں مزید خوبصورتی پیدا کر دی ہے۔

وہ صبح کی ہوا سے درختوں کا جھومنا اور جھوم جھوم کر وہ رخِ گل کا چومنا(س16)

مذکورہ شعر کے مصرعہ ثانی میں "جھوم جھوم" کی تکرار لفظی عجب طرح کا صوتی آہنگ پیدا کر رہی ہے۔ جس سے شعر میں حسن ورعنائی پیدا ہو گئی ہے۔ دوسرے مصرع میں "رخِ گل" کی ترکیب بھی استعمال کی گئی ہے۔

تھے اس میں بہ تفصیل وہ احوال سراسر اور تھے رقم ایک ایک کے احوال سراسر(17)

مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ "ایک ایک" کی تکرار سے صوتی آہنگ پیدا ہوا ہے، جس سے شعر میں ایک وقار اور رعنائی در آئی ہے۔

ہے اُن کو ہوس طوق بہ گردن کیے پھرتی کتے کی طرح سب کو ہے در در لیے پھرتی(18)

مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ "در در" کی تکرار نے شعر میں ایک خوبصورت موسیقیت کو پیدا کر دیا ہے۔

آج اپنے رنج و فکر سے ان کو فراغ ہیں ہیں بیٹھے اپنے کھیتوں پہ اور باغ باغ ہیں(19)

مذکورہ شعر کے دوسرے مصرعہ میں لفظ "باغ باغ" کی تکرار نے صوتی آہنگ پیدا کر دیا ہے، جس سے شعر میں حسن اور رعنائی پیدا ہوئے ہیں۔

لیکن جو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ہیں آرہیں اور ٹہنیوں کے سازوں پر سُر ہیں ملا رہیں(20)

مذکورہ شعر کے پہلے مصرعہ میں "ٹھنڈی ٹھنڈی" کی تکرار سے ایک موسیقیت نے جنم لیا ہے، جس سے شعر میں خوبصورتی پیدا ہوئی ہے۔ اس خوبصورت شعر میں مولانا آزاد ایک ایسا خوبصورت امیج بنا رہے ہیں، جو عجب ماحول اور دلکشی پیدا کر رہا ہے۔ ٹھنڈی ہواؤں سے درختوں کی ٹہنیوں میں عجب سا ساز پیدا ہو گیا ہے۔ پتے سُر میں آ گئے ہیں۔

چلنا وہ بادلوں کا زمین چوم چوم کر اور اٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر
بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی
آتی ادھر صبا ہے ادھر سے نسیم بھی اور ان کے ساتھ ساتھ ہے آئی شمیم بھی(21)

یہ تینوں اکٹھے اسی ترتیب سے موجود ہیں۔ ان تینوں شعروں میں صنعت تکرار لفظی موجود ہے۔ پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں "چوم چوم" پھر "جھوم جھوم" کی تکرار موجود ہے۔ جب کہ دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں "ٹھنڈی ٹھنڈی" اور تیسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں "ساتھ ساتھ" کی تکرار لفظی نے ایک حسن اور دلکشی کو جنم دیا ہے۔ شعر میں صوتی آہنگ اور موسیقت پیدا ہوئی ہے۔ شعر پڑھتے ہوئے ایک روانی اور ردھم کا احساس ہوتا ہے۔

کوئل کا دور دور درختوں پہ بولنا اور دل میں اہل درد کے نشتر گھولنا

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

کیا کیا بیاں کروں میں تیری رات کا مزہ گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزہ
کوٹھے پہ ٹھنڈے ٹھنڈے بچھونے وہ اس میں ہے فخر گل کو آوے اگر پائے بوس میں[22]

مذکورہ تینوں شعروں میں صنعت تکرار لفظی کا استعمال ملتا ہے۔ پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں "دور دور"، دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں "کیا کیا" اور تیسرے شعر کے پہلے مصرعہ میں "ٹھنڈے ٹھنڈے" کی تکرار لفظی نے شعروں میں بلا کا حسن اور رعنائی پیدا کر دی ہے، جس سے شعر میں صوتی آہنگ پیدا ہو گیا ہے۔ پڑھتے وقت کانوں کو بھلا محسوس ہوتا ہے

ہلکے ہلکے کبھی مکڑی کے ہیں جالے اڑتے اور ہوا میں ہیں کبھی روئی کے گالے اڑتے[23]

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "ہلکے ہلکے" کی تکرار سے موسیقیت نے جنم لیا ہے۔ شعر میں صنعتِ تکرار کا اطلاق ہوا ہے۔

سحر کا فیض جو ہر خشک و تر پہ طاری تھا تو آبِ بحر بھی کس کس مزے سے جاری تھا[24]

مذکورہ شعر کے مصرعہ ثانی میں لفظ "کس کس" دو مرتبہ تکرار کے ساتھ آیا ہے، جس سے صنعت تکرارِ لفظی کا اطلاق ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے شعر میں صوتی آہنگ نے جنم لیا ہے۔

اب ان کے مطالب کے بھی اثر ہوویں دلوں میں ان کے یقیں کرتے کرتے گھر ہوویں[25]

مذکورہ بالا شعر میں شاعر نے لفظ "کرتے کرتے" کی تکرار پیدا کی ہے، جس سے صوتی آہنگ پیدا ہوا ہے۔

صنعت ترصیع:

حکمت کا معما ہے قدرت کی پہیلی ہے[26]

مذکورہ شعر کے پہلے مصرعہ میں جتنے لفظ استعمال ہوئے ہیں اسی حساب سے دوسرے مصرعے میں بھی لفظ برتے گئے ہیں یعنی حکمت کے وزن پر قدرت، کا کے وزن پر کی۔ معما کے وزن پر پہیلی اور جب کہ دونوں مصرعوں میں "ہے" مشترک ہے یوں مذکورہ شعر میں صنعت ترصیع کا اطلاق ہوا ہے۔

ذرہ ہو کہ ہو سورج معنی ہو کہ ہو صورت[27]

مذکورہ شعر میں صنعت ترصیع کا خوبصورت استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے اور دوسرے مصرعے کے لفظ آپس میں ہم وزن اور برابر ہیں۔ مثال کے طور پر "ذرہ" کے وزن پر "معنی" کے دونوں مصرعوں میں "ہو کہ ہو" موجود ہیں پھر "سورج" کے وزن پر "صورت" کا لفظ موجود ہے۔

جو خاک کا ذرہ ہے یا پانی کا قطرہ ہے[28]

مذکورہ شعر میں بھی صنعت ترصیع کا استعمال نہایت عمدگی سے کیا گیا ہے۔ دونوں مصرعوں کے لفظ آپس میں ہم وزن اور برابر ہیں۔

سہل ممتنع:

اصطلاحی معنوں میں "سہل ممتنع" سے مراد انتہائی مشکل بات کو نہایت آسان اور سہل انداز میں بیان کرنا ہے جس سے کلام میں سلاست درجہ کمال کو پہنچے۔

مولانا آزاد نے بھی صنعتِ سہل ممتنع کا استعمال کیا ہے۔

ہنگامہ ہستی کو گر غور سے دیکھو تم
ہر خشک و تر عالم صنعت کے تلاطم میں
جو خاک کا ذرہ ہے یا پانی کا قطرہ ہے
حکمت کا مرقع ہے جس پر قلم قدرت
انداز سے ہے جاری اور کرتا ہے گلکاری
اک رنگ کہ آتا ہے سو رنگ دکھاتا ہے[29]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مذکورہ بالا اشعار نہایت آسان اور سادہ پیرائے میں لکھے گئے ہیں۔ ان کو مزید سلیس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تمام اشعار سہل ممتنع کی عمدہ مثالیں ہیں۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو پوری نظم ہی سہل ممتنع کی ایک خوبصورت مثال ہے۔

صنعتِ سیاقیہ الاعداد:

سیاقہ کے معنی روانی، چلانا ہے اور اعداد، عدد (گنتی) کی جمع ہے۔ اگر کلام میں اعداد کا ذکر آئے تو اسے صنعت سیاقۃ الاعداد کہتے ہیں۔ مولانا آزاد نے مذکورہ نظم میں بھی صنعت سیاقیہ الاعداد کو استعمال کیا ہے۔

اک رنگ کہ آتا ہے سو رنگ دکھاتا ہے[30]

مذکورہ شعر کے پہلے مصرعہ میں "ایک" کا عدد برتا گیا ہے جب کہ دوسرے مصرعہ میں "سو" کا عدد استعمال ہوا ہے۔ یوں شعر میں صنعت سیاقیہ الاعداد کا اطلاق ہوا ہے۔ اس صنعت کے استعمال سے شعر میں خوبصورتی اور رعنائی میں اضافہ ہوا ہے۔ شعروں میں گنتی کے اعداد کسی شے کی تعداد کے بارے میں وضاحت کے لیے آتے ہیں۔

اک عرصۂ خاص اس پر گزرے گا تو دیکھو گے[31]

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "ایک" کا عدد برتا گیا ہے۔

اک سیدھی سی بات اس وقت آئی ہے تصور میں[32]

مذکورہ بالا شعر کے مصرعہ اولیٰ میں "ایک" کا عدد استعمال ہوا ہے۔ اس طرح شعر میں صنعت سیاقیہ الاعداد کا استعمال ملتا ہے۔

شور شکرِ عالم میں پیدا نشیں لاکھوں ہیں[33]

مذکورہ شعر کے مصرعہ ثانی میں "لاکھوں" کا عدد برتا گیا ہے۔ یوں شعر میں صنعت سیاقیہ الاعداد کا اطلاق ہوا ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد کی نظم "مبارک باد جشن جوبلی میں" بھی صنعت سیاقیہ الاعداد کا اطلاق ملتا ہے۔

جب بہ اقبال و حشم گذریں اسے سال پچاس
جابجا جشن خدا ساز کے ہوویں اجلاس[34]

مذکورہ کے مصرعہ اولیٰ میں "پچاس" کا عدد برتا گیا ہے۔ اس طرح شعر میں صنعت سیاقیہ الاعداد کا ستعمال ہوا ہے۔

خوشی اس کو بھی نہیں کہتے جو نوروز سے ہو
گل و گلشن کے لیے جشن دل افروز سے ہو[35]

مذکورہ شعر میں "نو" کا عدد برتا گیا ہے، جس سے شعر میں صنعت سیاقیہ الاعداد کا استعمال ہوا ہے۔

صنعت تضاد:

صنعت تضاد سے مراد کلام میں ایسے دو لفظ لانا جن کے معنی ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ مثلاً دن اور رات، صبح اور شام، اندھیرا اور اجالا، نیکی اور بدی وغیرہ

مولانا محمد حسین آزاد نے نے اپنی نظموں میں کئی مقامات پر صنعت تضاد کا سہارا لے کر شعر میں فصاحت و بلاغت پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

ہر خشک و تر عالم صنعت کے تلاطم میں[36]

مذکورہ شعر میں "خشک" کو استعمال کیا گیا ہے پھر اسی شعر میں "تر" کو بھی باندھا گیا ہے۔ یوں شعر میں دونوں لفظ ایک دوسری کی ضد ہیں۔ شعر میں صنعت تضاد نے جنم لیا ہے۔

گرمی ہو یا سردی یا ہووے تری خشکی[37]

مذکورہ شعر کے مصرعوں میں صنعت تضاد موجود ہے۔ پہلے مصرعہ میں "گرمی" کے ساتھ "سردی" کو باندھا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے مصرعہ میں "تری" کے ساتھ "خشکی" کو استعمال کر کے متضاد لفظ لائے گئے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جن کے معنی ایک دوسرے کی ضد ہوں اسے صنعت تضاد کہتے ہیں۔ مثلاً دن اور رات، صبح اور شام، اندھیرا اور اجالا، نیکی اور بدی وغیرہ۔

یاس اور آس کے اور شادی و ناشادی کے تھے جو خوف و خطر آبادی و بربادی کے (38)

مذکورہ شعر میں "یاس" کے ساتھ "آس" کا لفظ استعمال ہوا ہے، پھر "شادی کے ساتھ "ناشادی" اور پھر "آبادی کے ساتھ بربادی" کے استعمال سے صنعتِ تضاد پیدا ہوئی ہے۔ یہ سارے الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان میں ایک تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک ہی شعر میں اگر اس طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ وہاں صنعت تضاد کا اطلاق ہوتا ہے۔

صنعت تلمیح:

مولانا محمد حسین آزاد کے ہاں صنعت تلمیح کا استعمال دیکھیے۔

کبھی عید رمضاں ہو کبھی عید قرباں ہاتھ پھیلائے گلے ملتے ہیں بڑھوں سے جواں (39)

مذکورہ شعر میں شاعر نے "عید رمضاں اور عید قرباں" کا ذکر کیا ہے صنعت تلمیح میں آتا ہے۔ عید رمضاں عید الفطر کو کہتے ہیں اور عید قرباں کو عید الاضحی کو کہتے ہیں۔ دونوں مسلمانوں کے خوشی کے تہوار ہیں۔

اور جس وطن کی چاہ تھی یوسف کے سینہ میں اس کا تو نقش دیکھ لو دل کے نگینہ میں (40)

مذکورہ شعر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو تلمیح کیا گیا ہے۔

جنت سے آئے آدم و حوا زمیں پہ تھے رکھتے جو قبضہ گلشنِ خلد بریں پہ تھے (41)

مذکورہ شعر میں شاعر نے حضرت آدم و حوا کی تلمیح استعمال کر کے اسلامی تاریخ کی یاد دلائی ہے۔

بیٹھا جمشید کہیں دیکھتا ہے جام اپنا پر سمجھ میں نہیں آتا ہے کچھ انجام اپنا (42)

مذکورہ شعر میں "جمشید" کی تلمیح استعمال کی گئی ہے۔ "جام جمشید" بہت مشہور تلمیح ہے۔ اسم مذکر پیالہ جمشید جو حکمائے فارس نے بنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے وسیلہ سے ہفت آسمان کا حال معلوم ہو جاتا تھا اس کو جام جہاں نما بھی کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ پیالہ کیخسرو نے بنایا تھا۔ صحیح اتنا ہے کہ اس میں خطوط ہندسی کھدے ہوئے تھے، جس کے وسیلہ سے حساب لگا کر ستاروں کی گردش اور اس کی وجہ سے ان کا اثر معلوم ہو جایا کرتا تھا۔

گاہ چنگیز ہے اور گاہ ہلاکو آتا جیسے گھر لوٹتا ہووے کوئی ڈاکو آتا (43)

مذکورہ شعر میں شاعر نے "چنگیز" اور پھر "ہلاکو" کی تلمیحات کو استعمال کیا ہے۔

"چنگیز خان (۱۱۶۷ء۔۱۲۲۷ء) مغل سلطنت کا بانی چنگیز کا اصل نام تموجین تھا۔ وہ دریائے زمان کے دائیں کنارے دیلون بولداق کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس کا شمار جنگجو سرداروں میں ہوتا ہے۔ بہت سی فتوحات حاصل کیں سمرچائی اور نکیانگ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لینے کے بعد چنگیز خان کی سلطنت کی سرحد میں سلطان محمد خوارزم کی مملکت سے ملتی ہیں۔ دیوار چین کو بھی سر کر کے دوسری طرف جا پہنچا اور مغل شمالی چین کے میدان پر قابض ہو گئے۔"(44)

"چنگیز خان کے پوتے کا نام جس کی خونریزی زبان زد عالم ہے۔ یہ اصل میں ہولاکو خان تھا۔ جو مولی خان بن چنگیز خان کا بیٹا اور بہت بڑا ظالم بادشاہ تھا۔ اس شخص نے ۶۵۰ھ میں بغداد و دیگر شہروں میں قتل و بے چراغ کیا تھا۔"(45)

قصرِ شیریں سے ہے فرہاد بھی دلگیر آتا پر بل میں لیے شیریں کی ہے تصویر آتا (46)

مذکورہ شعر میں شاعر نے "فرہاد" اور پھر "شیریں" کی تلمیح کو استعمال کیا ہے۔

آ کے سودا کبھی اک ہجو سنا دیتے ہیں لیکن اس طرح کہ محفل کو لٹا دیتے ہیں (47)

اس شعر میں اردو کے مصروف شاعر مرزا محمد رفیع سودا کی تلمیح استعمال کر کے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

پھر کبھی پڑھ کے سناتے ہیں قصیدہ اپنا میر پڑھتے ہیں کوئی شعر گزیدہ اپنا (48)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مذکورہ شعر میں اردو ادب کے معروف شاعر، خدائے سخن میر تقی میر کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ تلمیح ہے۔ کیونکہ شاعر نے ایک نامور شاعر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

صنعت اشتقاق:

اصطلاحی مفاہیم میں "اشتقاق سے مراد شعر میں ایسے الفاظ لانا جو ایک ہی مادے اور مصدر سے مشتق ہوں۔

مولانا محمد حسین آزاد نے بھی صنعت اشتقاق کا استعمال کیا ہے۔ دیگر نظموں اور مثنوی کی طرح "نوطرز مرصع" میں بھی اس صنعت کا استعمال ملتا ہے۔

وہ صبح کی ہوا سے درختوں کا جھومنا اور جھوم جھوم کر وہ رخ گل کا چومنا(49)

مذکورہ شعر کے پہلے مصرعہ میں "جھومنا" اور دوسرے مصرعہ میں لفظ "جھوم" ایک ہی مصدر سے مشتق ہیں۔ اس وجہ سے شعر میں صنعت اشتقاق کا اطلاق ہوا ہے۔

تاب جب تابشِ انصاف کی پائینہ کہیں اور جھوم جھوم کر وہ رخ گل کا چومنا(50)

مذکورہ شعر میں لفظ "تاب" اور پھر "تابش" ایک ہی مصدر سے مشتق ہیں۔ لہٰذا اس شعر میں صنعت اشتقاق کا استعمال ہوا ہے۔ جس سے شعر میں رعنائی پیدا ہوئی ہے۔

تھا ظلم کی ظلمت سے جو ظلماتِ زمانہ اور دن سے ہوا آنکھوں میں تھارات زمانہ (51)

مذکورہ شعر کے پہلے مصرعہ میں "ظلم"، "ظلمت" اور پھر آخر میں "ظلمات" کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان تینوں لفظوں کا مصدر ایک ہے۔ شاعر نے نہایت عمدگی اور سلیقہ مندی سے صنعتِ اشتقاق کو برتا ہے۔

تجسیم نگاری:

تجسیم نگاری سے مراد غیر مرئی اشیاء کو ایک جسم عطا کرنا ہے۔ غیر مرئی اشیاء متحرک ہو جاتی ہیں۔ یہ تجسیم نگاری ہے۔ انگریزی میں Personification کہلاتا ہے۔ اس کا استعمال شعروں میں ایک حسن عطا کرتا ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد کی مثنوی "نوطرزِ مرصع" میں صنعت تجسیم نگاری کی چند خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔

منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فق ہوا گلگونہ لے کے سامنے رنگِ شفق ہوا(52)

مذکورہ شعر میں شاعر نے "رات" کو تجسیم کر کے اسے ایک جسم عطا کر دیا ہے۔ جب کسی چیز کو جسم عطا کر دیا جائے تو وہ انسانی خصائل میں داخل ہو جاتی ہے۔ اب رات محسوسات اور احساسات بھی رکھتی ہے۔ صبح کے آنے سے اس کے منہ کا رنگ فق بھی ہوا ہے۔

تجسیم نگاری سے شعروں میں ایک خوبصورتی و دلکشی در آتی ہے اور قاری حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی ہاتھوں سے مشک اڑاتی ہے عنبر بکھیرتی(53)

مذکورہ شعر میں شاعر نے شب کو تجسیم کر کے اسے ایک انسانی جسم عطا کر دیا ہے۔ اب شب کے دو ہاتھ بھی ہیں۔ اس کے حواس خمسہ بھی جاگ اٹھے ہیں۔ اب وہ محسوس بھی کرتی ہے۔ خوشبو کو سونگھتی بھی ہے اور دوسروں پر خوشبوئیں نچھاور بھی کر رہی ہے۔

بتی چراغِ عمر کی ہے جھلملا رہی اور بے کسی سرہانے ہے آنسو بہا رہی(54)

مذکورہ شعر میں بے کسی کو تجسیم کر دیا گیا ہے۔ اب وہ ہنستی اور روتی بھی ہے۔ اس کو جذبات و احساسات مل گئے ہیں۔ وہ جذبات و احساسات کے سمندر میں بہتی بھی ہے۔ ہنستی بھی ہے اور روتی بھی ہے۔

مولانا محمد حسین آزادؔ نے بھی صنعت تجسیم نگاری کا مثنوی خوابِ امن میں استعمال کیا ہے۔ چند اشعار دیکھتے ہیں:

تھک کے خورشید نے دم کل جو سرِ شام لیا دل نے بھی کر سی آرام پہ آرام لیا(55)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مذکورہ شعر میں شاعر نے "خورشید" کو تجسیم کر کے اُسے ایک جسم عطا کر دیا ہے۔ اسی لیے وہ اب تھک بھی جاتا ہے۔ انسانوں کی طرح آرام بھی کرتا ہے۔ نیند کی آغوش میں بھی چلا جاتا ہے۔ اٹھتا بیٹھتا اور چلتا پھرتا ہے۔ تجسیم کے ذریعے اب وہ غصہ، نفرت، تھکاوٹ، احساسات و محسوسات تک کی کیفیات اس میں در آئی ہیں۔

ہاتھ باندھے تھیں مرادیں وہاں ہر دم آگے　　آرزوئیں تھیں کھڑی ناچتی چھم چھم آگے (56)

مذکورہ شعر میں آرزوؤں کو تجسیم کر دیا گیا ہے۔ اب وہ ایک جسم کی مالک بن گئی ہیں وہ چھم چھم ناچتی بھی ہیں۔ کھڑی بھی ہو سکتی ہیں۔ ہاتھ باندھے آگے پیچھے بھی پھر سکتی ہیں۔

کہ درختانِ چمن باغ میں عریاں کیوں ہیں　　ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر و حیراں کیوں ہیں (57)

مذکورہ شعر میں شاعر نے درختوں کو تجسیم کر کے انہیں ایک جسم عطا کر دیا ہے۔ اب وہ صرف انسانی جسم کا حامل ہو گئے ہیں۔ اب انہیں خوشی، غمی، حیرانی ایسے جذبات و احساسات کا بھی پتہ ہے۔ اب راہوں میں ہاتھ پھیلائے ہوئے کھڑے بھی ہو سکتے ہیں اور ششدر و حیران بھی ہو سکتے ہیں۔

تجسیم نگاری ایک ایسا فن ہے جو شاعر اپنے شعروں میں استعمال کر کے شعروں کو نہایت عمدگی عطا کرتے ہیں۔ شعر زندہ و جاوید ہو جاتا ہے۔ وہ دیکھنے، سننے، اٹھنے، بیٹھنے، اور سانسیں لینے لگتا ہے۔ یہ تخلیق کار کا کمال ہے۔

تشبیہ:

تشبیہ کا کام معنی آفرینی، حسن آفرینی اور اختصار و بلاغت پیدا کرنا ہے۔ اس سے فنِ شاعری میں حسن نکھرتا، معنی ابھرتے اور بلاغت پیدا ہوتی ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد کی شاعری میں تشبیہ کا استعمال دیکھیے:

پانی وہ صاف صاف جو بل کھا کے جاتے تھے　　پارے کے سانپ گھاس پہ لہرا کے جاتے تھے (58)

مذکورہ شعر میں شاعر نے پانی کے بل کھا کے چلنے کو "سانپ" کا گھاس پر لہرا کے چلنے سے تشبیہ دی ہے۔

کلی ہنسے تو رخ تر ادیتا بہار ہے　　شبنم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے (59)

مذکورہ شعر میں شبنم کو موتیوں سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ شبنم بھی پھولوں پر صبح کے وقت موتیوں کی طرح چمک رہی ہوتی ہے۔ اس چمک کی وجہ سے شبنم کو موتی کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

دل اس آواز پہ اس طرح کھچے جاتے تھے　　گویا ذرے سوئے خورشید اڑے جاتے تھے (60)

دل کی آواز پہ کھچنے کو ذرے سوئے خورشید اڑنے سے تشبیہ دی ہے۔ دل کی آواز میں اس طرح کھچے جاتے ہیں جیسے کہ ذرے سوئے خورشید اڑے جاتے ہیں۔ نہایت عمدہ تشبیہ ہے، جس نے شعر کے حسن کو بڑھا دیا ہے۔

مثنوی میں کئی اشعار میں تشبیہ کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔

دِلّی کو یہ بھی چھوڑ کے سوئے دکن چلے　　پر جیسے چھوڑ کر کوئی بلبل چمن چلے (61)

مذکورہ شعر میں دِلّی کے چھوڑنے کو بلبل کے چمن چھوڑنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ شعر میں تشبیہ بے پناہ حسن و رعنائی کا باعث بنی ہے۔

دل جو گھڑی کی طرح برابر ہے چل رہا　　ہر دم وطن کی سمت ہے منزل بدل رہا (62)

مذکورہ شعر میں "دل" کو "گھڑی" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ دل کی دھڑکن کو گھڑی کی ٹِک ٹِک سے قدرِ مشترک جان کر تشبیہ کیا گیا ہے۔ شعر میں ایسی تشبیہات خوبصورتی کا باعث بنتی ہیں۔

ہیں خانہ ہستی میں وہ مکڑی کا نمونہ　　تن ہو گئے ہیں سوکھ کے لکڑی کا نمونہ (63)

اس شعر میں خانہ ہستی کو مکڑی سے تشبیہ دی گئی ہے پھر دوسرے مصرعہ میں تن کے سوکھنے کو لکڑی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس شعر میں دو تشبیہات کا استعمال سے بلاغت اور وقار میں اضافہ ہوا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

جب دیکھو اپاہج کی طرح خوار ہیں گویا جیتے ہوئے ایسے ہیں کہ مُردار ہیں گویا[64]

مذکورہ بالا شعر میں بے کار، سست اور کاہل انسان کو پہلے "اپاہج" پھر ان کے جینے کو "مُردار" سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ریتی پہ خشک لب تھا جو دریا پڑا ہوا ہو جیسے کوئی سانپ سسکتا پڑا ہوا[65]

اس شعر میں "خشک لب دریا"، کو "سسکتے ہوئے سانپ" سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جل تھل ہیں کوہ و دشت میں تالاب و آب کے گویا چھلک بہے ہیں کٹورے گلاب کے[66]

مذکورہ شعر میں "کوہ و دشت میں تالاب" کو "کٹورے گلاب" کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

استعارہ:

مولانا محمد حسین آزاد کی شاعری میں استعارہ کا خوب صورت استعمال ملتا ہے۔

وہ گہری سبزیوں میں گل ترکی لالیاں اور اوس سے بھری ہوئی پھولوں کی پیالیاں[67]

مذکورہ شعر میں شاعر نے "پھولوں کی پیالیاں" میں براہ راست پتیوں کو "پیالیاں" کہہ کر صنعت استعارہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ یا اگر کہا جاتا کہ پھولوں کی پتیاں ایسے ہیں جیسے کہ پیالیاں یہ تشبیہ کے زمرے میں آجانا تھا۔ اب یہ استعارہ ہے۔

شاعرانہ تعلی:

دیگر بڑے شعرا کی طرح مولانا محمد حسین آزاد نے بھی شاعرانہ تعلی کا استعمال کیا ہے۔

کیوں قبلۂ من دیکھا یہ طرفہ معما ہے
کیا بوجھے کوئی پنڈت یا فلسفی و ملا
ہاں سمجھیں میاں آزاد یا منشی ذکاء اللہ [68]

مذکورہ اشعار میں مولانا آزاد نے حسنِ تعلی سے کام لیتے ہوئے مولوی محمد حسین آزاد نے خود کو بھی اس سطح پر رکھ لیا ہے، جہاں فلسفی، مُلا یا پنڈت ہیں۔ اس نظم میں حسن تعلی کا یہ خوبصورت نمونہ ملتا ہے، جس سے شعر کے حسن میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

حوالہ جات

1۔ محمد حسین آزاد، مولانا، نظم آزاد (لاہور: شیخ مبارک علی تاجر کتب، ۱۹۳۵ء) ص ۳۶
2۔ ایضاً، ص ۴۲
3۔ ایضاً، ص ۴۴
4۔ ایضاً، ص ۱۵۲
۵۔ ایضاً، ص ۱۵۴
۶۔ ایضاً، ص ۱۵۵
7۔ ایضاً، ص ۱۵۵
8۔ ایضاً، ص ۱۵۹
9۔ ایضاً، ص ۱۶۰

10۔ ایضاً، ص۱۶۱
11۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، اردو غزل (لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۶۴ء) ص۲۴۸
12۔ محمد حسین آزاد، مولانا، نظم آزاد، ص۱۵۴
13۔ ایضاً، ص۱۵۸
14۔ ایضاً، ص۱۵۹
15۔ ایضاً، ص۱۶۰
16۔ ایضاً، ص۱۶۱
17۔ ایضاً، ص۱۰۱
18۔ ایضاً، ص۱۰۳
19۔ ایضاً، ص۱۱۱
20۔ ایضاً، ص۱۱۱
21۔ ایضاً، ص۱۱۲
22۔ ایضاً، ص۱۱۴
23۔ ایضاً، ص۱۲۱
24۔ ایضاً، ص۱۲۵
25۔ ایضاً، ص۱۳۳
26۔ ایضاً، ص۱۵۲
27۔ ایضاً، ص۱۵۱
28۔ ایضاً، ص۱۵۱
29۔ ایضاً، ص۱۵۰۔۱۵۱
30۔ ایضاً، ص۱۵۱
31۔ ایضاً، ص۱۵۳
32۔ ایضاً، ص۱۵۲
33۔ ایضاً، ص۱۵۲
34۔ ایضاً، ص۱۵۵
35۔ ایضاً، ص۱۵۴
36۔ ایضاً، ص۱۵۰
37۔ ایضاً، ص۱۵۲
38۔ ایضاً، ص۸۴
39۔ ایضاً، ص۱۵۴

40۔ ایضاً، ص۵۷

41۔ ایضاً، ص۵۸

42۔ ایضاً، ص۱۱۸

43۔ ایضاً، ص۱۱۹

44۔ سید قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، جلد اول (لاہور: الفیصل ناشران، 2008ء) ص780

45۔ سید احمد دہلوی، مولوی، فرہنگ آصفیہ جلد چہارم (لاہور: مطبع معارف پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۴ء) ص۳۵۷

46۔ محمد حسین آزاد، مولانا، نظم آزاد، ص۱۱۹

47۔ ایضاً، ص۱۲۰

48۔ ایضاً، ص۱۲۰

49۔ ایضاً،، ص۱۶۱

50۔ ایضاً، ص۸۲

51۔ ایضاً، ص۱۰۰

52۔ ایضاً، ص۱۶۱

53۔ ایضاً، ص۳۷

54۔ ایضاً، ص۴۴

55۔ ایضاً، ص۶۷

56۔ ایضاً، ص۷۰

57۔ ایضاً، ص۱۱۶

58۔ ایضاً، ص۱۶۱

59۔ ایضاً، ص۳۷

60۔ ایضاً، ص۴۵

61۔ ایضاً، ص۴۶

62۔ ایضاً، ص۵۸

63۔ ایضاً، ص۱۰۵

64۔ ایضاً، ص۱۰۳

65۔ ایضاً، ص۱۱۲

66۔ ایضاً، ص۱۱

67۔ ایضاً، ص۶۱

68۔ ایضاً، ص۱۵۳